مطبوعات

AGRICULTURAL EXTENSION IN ISLAMIC CULTURAL MILIEU

مؤلف: جناب مظفر حسین ڈائریکٹر ایگریکلچرل انفارمیشن (پنجاب)
ناشر: نیشنل سائنس کونسل ۳۷ سکول روڈ F-6/2 اسلام آباد پاکستان۔ قیمت نامعلوم۔

علمی تحقیقی سطح کی اس شاندار کتاب کا ہم اس کی خوبصورت انگریزی زبان اس کی حسنِ طباعت و جلد بندی کے ساتھ خیر مقدم کرتے ہیں۔

یہ ہم مسرت ہے کہ دنیا میں تحریکِ اسلامی کی جو رو چل رہی ہے۔ وہ اب دعوتِ عام کے ابتدائی مرحلے سے آگے نکل کر جہاں پہلے ادب اور نصابی کتب میں نمودار ہوئی۔ وہاں اب مختلف ممالک کے دانشوراسے خالص علمی اور تحقیقی سطح پر اجاگر کر کے علوم کی تشکیل کا آغاز کر چکے ہیں۔ یہ کتاب اسی بلند سطح سے تعلق رکھتی ہے۔

مظفر حسین صاحب کے علمی مرتبہ اور ڈگریوں کو الگ رکھتے ہوئے میں اتنا جانتا ہوں کہ وہ اسلامی قلب و دماغ کے ساتھ سائنس کے مختلف دائروں میں عمر بھر مطالعہ کرتے چلے آرہے ہیں۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ محض تحقیق کے بجائے افکار کی تشکیلِ نو کا کام ان کی طرح کرنے والے ہمارے حصے میں کم لوگ آئے ہیں۔

اپنی شدید مصروفیات کے باوجود میں نے متواتر تین دن صرف کر کے اس کتاب کا تقریباً ایک ایک پیراگراف پڑھ ڈالا ہے۔ اور جتنے نشان میں نے اس کتاب کے اہم مباحث پر لگائے ہیں۔ وہ ۲۰۰ سے اوپر اشارات لکھے ہیں، اگر اس ساری محنت کا تقاضا پورا کرنے کے لیے تبصرہ لکھنا چاہوں تو وہ ایک ضخیم مقالہ ہوگا۔ مصنف کو تو شکایت ہوگی ہی کہ یہ اتنا بھی قابل نہ سمجھا گیا کہ دماغ

ہیں ایک انبارِ خیالات جمع کرنے کے بعد اب صرف چند الفاظ لکھ کر اپنے تاثرات کا خاکہ اُڑا دینے لگا ہوں۔

کتھ بیری سطور ریں بات ریاض یونیورسٹی میں منعقد ہونے والی ماہرین سائنس کی کانفرنس میں پڑھے جانے والے اس مقالے سے چلی جس میں مظفر صاحب کی پیش کردہ ۳۲ نکات ہیں سے طے شدہ سفارشات ۳ پر مبنی تھیں۔ آگے پھر مضمون در مضمون کا سلسلہ چل نکلتا ہے۔

ساری کتاب کا اگر میں خلاصہ بیان کروں تو وہ یہ ہے کہ "ایگریکلچر" کی توسیع و ترقی "کلچر" کے بغیر اور "سٹائل" (Style) کی بہتری سول (Soul) کے بغیر اور ٹیکنالوجی کی افادیت آئیڈیالوجی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ مگر اتنی سی بات کو فلسفیانہ انداز سے علمی سطح پہ بیان اور ثابت کرنے کے لیے مظفر حسین صاحب نے نہ صرف یہ کہ قرآن اور حدیث کے استدلالات کو اپنے مآخذ پر جمع کیا ہے بلکہ مادہ پرست مغرب کے معروف دانشوروں کے حوالے اپنی تائید میں اس کثرت سے بہم کیے ہیں کہ سطر سطر ان کی وسعتِ مطالعہ کی شہادت دیتی ہے۔

مظفر صاحب کا خلاصۂ مدعا یہ ہے کہ زرعی (یا معاشی) ترقی کو پورے معاشرے کے مخصوص تہذیبی و تمدنی انداز سے الگ کر کے ایک جداگانہ خلنے میں جامۂ عمل نہیں پہنایا جاسکتا۔ اسی طرح مختلف علوم کے بکھرے ہوئے پارچوں سے اس وقت تک پورا استفادہ نہیں کیا جاسکتا ہے جب تک کہ انہیں کسی آئیڈیالوجی اور کلچر یا عقیدے اور تہذیبی دعوت کے تحت جمع اور منظم نہ کیا جائے۔ کتاب اس امر کی وضاحت کرتی ہے کہ علوم اور سرمایے اور وسائل سب کے مقابلے میں ترقی و توسیع ——— زرعی یا اقتصادی ——— کا اہم ترین عنصر انسان ہے اگر انسان میں کسی وحدتِ مقصد اور کسی شعورِ تہذیب کے ذریعے اخلاقی تحریک نہ اُبھاری جاسکے، بقیہ عوامل پوری طرح نہیں تو بڑی حد تک غیر نتیجہ خیز ثابت ہوتے ہیں۔

پھر وہ جدید منکرِ خدا مادہ پرستانہ تمدن اور اس کے تحت ہونے والی زرعی کوششوں اور اقتصادی ترقیوں کی مختلف کمزوریوں اور کوتاہیوں پر خود اُدھر ہی کے اصحابِ فکر و شعور کی گواہیاں سامنے کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں تورات اور بائیبل نے انسانوں کی زرعی زندگی سے تعرض کرتے ہیں جو کمی چھوڑی ہے، اُسے واضح کرنے کے لیے وہ قرآن (نیز حدیث)

کی حکمت کو بڑے زور سے (واعظانہ اور صحافیانہ رنگ میں نہیں بلکہ فلسفیانہ اور محققانہ انداز سے) پیش کرتے ہیں۔ وہ بتاتے ہیں کہ کس طرح اسلامی کلچر کے بنیادی عقیدۂ توحید سے لے کر وحی اور آخرت اور نیکی اور بدی سب کے لیے زرعی زندگی ہی سے مثالیں لی گئی ہیں (حتی کہ بالکل اساسی تصورِ دین کو واضح کرنے کے لیے شجرۂ طیبہ اور شجرۂ خبیثہ کی تمثیلات بیان ہوتی ہیں)۔ قرآن میں باغوں، پانی کے بندوں، لہروں، بارش اور پھلوں اور مویشیوں کا کثرت سے ذکر کیا ہے۔ بائیبل اور تورات کے تصورات کے خلاف قرآنی نظریہ یہ ہے کہ آدم کے دور ہی سے زراعت کاری کا آغاز ہوا۔ اور بعد میں متعدد انبیاء کی مثالیں دی ہیں جو کاشت کاری کرتے تھے یا مویشیوں اور بھیڑ بکریوں کی پرورش کا مشغلہ رکھتے تھے۔ اس سے خود آنحضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہستی بھی مستثنیٰ نہیں۔

صاحبِ کتاب نے بڑی اہم بات یہ کہی ہے کہ اگر اسلامی کلچر اپنے مرکزی کلمہ (کلمہ طیبہ) پر کھڑا ہو اور زندگیاں اس کے رنگ میں رنگی ہوں تو اس کے تحت زراعت کار اور کسی بھی طرح کا کام کرنے والا شخص نیکی اور صدقہ کا کام انجام دیتا ہے۔ یہ سارے کام اسی طرح دین کے تحت آتے ہیں، جیسے نوافل یا مسکین نوازی یا دوسری نیکیاں۔ پس زراعت کی توسیع یا اقتصادی ترقی یا اس سلسلے میں نئی ٹیکنالوجی کا استعمال ایک مسلم کو اس شعور سے کرنے کی تعلیم دینی چاہیے کہ وہ اپنے لیے، اپنے لواحقین اور حقداروں کے لیے اور آگے ساری انسانیت کے لیے ایک ایسی خدمت انجام دے رہا ہے جس کا سارا پھل اُسے دُنیا ہی میں نہیں اُٹھا لینا ہے، بلکہ وہ بڑے بڑے انبار آخرت کے کھلیان میں جمع کر رہا ہے۔

اسی سلسلے میں فاضل مؤلف نے ایک باب میں بہت اہم بحث حرکت انگیزی (MOTIVATION) کی چھیڑی ہے یعنی محض زرعی یا میکنالوجیکل علوم کو زراعت کار تک منتقل کر دینے سے کام نہ چلے گا۔ بلکہ اس مہم میں حرکت انگیزی کا اہتمام کرنا ہوگا۔ دوسرے لفظوں میں علوم یا وسائل آدمی کے باہر واقع ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ خود آدمی کے اندر کی قوتیں کام کریں اور اسی حقیقت کا خلاصہ اقبال کے ان الفاظ میں بڑی خوبی سے افتتاحیہ (PROLOGUE) میں بیان ہو گیا ہے کہ " اگر ہم چاہتے ہیں کہ اچھے مزدور، اچھے دکاندار اور اچھے صناع اور سب سے

بڑھ کر یہ کہ اچھے شہری پیدا کریں تو ہمیں پہلے اچھے مسلم پیدا کرنے چاہئیں"

صرف ایک مقام پر میں اُلجھا ہوں۔ صفحہ نمبر ۱۹ پر مؤلف نے بیان کیا ہے کہ مدینہ میں باقاعدہ زرعی تعلیم ہوتی تھی —— کبھی کلاسیں روزانہ لی جاتیں اور کبھی ہفتہ وار، بعض ششماہی بنیاد پر منظم کی جاتیں۔ اس کے بعد کا یہ بیان درست ہے کہ مسلمانوں کا دَورِ عروج زرعی لحاظ سے بھی دنیا بھر میں بلند سطح پر پہنچ گیا تھا۔ یہاں تک بہت سی اجناس کی کاشت مسلمانوں ہی نے مغرب کو سکھائی۔ پہلے جملے کی حیثیت یہ تو ہو سکتی ہے کہ حدیث و سیر کے متعدد حوالوں سے اخذ کر کے ایک مکمل سسٹم کا تصور حاصل کر لیا گیا ہو، مگر میرے ناقص اور محدود مطالعہ کے لحاظ سے اس طرح کی صورتِ حالات واضح طور پر ثابت نہیں ہے۔

دوسری ایک چیز جو اگرچہ اس طرح بیان ہو گئی ہے کہ زرعی توسیع یا اقتصادی ترقی کے لیے اجتماعی رویہ ایسا پیدا ہونا چاہیے کہ ہر شخص یہ محسوس کرے کہ وہ ایک نیکی کر رہا ہے اور خدمت انجام دے رہا ہے، مگر مؤلف کی کتاب میں عقیدہ اور کلچر کے ساتھ محض حرکت کی ضرورت کا ذکر آتا ہے۔ لیکن ایک ایسی نظریاتی یا کلچرل تحریک کا ذکر نہیں آیا جس کے تحت ہر شخص جس بھی درجے پر جس بھی کام کو انجام دے رہا ہے، یہ سمجھے کہ وہ کشمکش کی اس دنیا میں لڑ کر اپنا مقام حاصل کرنے کے لیے کارخانے یا دفتر یا تعلیم گاہ یا تھانے یا اسمبلی یا کھیت میں مصروف ہے۔ وہ ایک اجتماعی جہاد کا سپاہی ہے اور اس کے حصے میں جو فریضہ آیا ہے اُسے وہ اس جذبے سے ادا کرنے کا پابند ہے کہ ممکن ہے کہ اس کی کوتاہی سے ساری بازی ہار جائے۔ جنگی لحاظ سے دشمنوں کے درمیان، اخلاقی لحاظ سے درندہ صفت مجرموں کے درمیان اور ثقافتی و تہذیبی لحاظ سے یلغار کرتے ہوئے سیلِ بلا کے تھپیڑوں کے درمیان کوئی سا فریضہ ادا کرتے ہوئے بھی اسے احساس ہونا چاہیے کہ وہ ایک خوفناک میدانِ جنگ میں کھڑا جانباز ہے جس کے خوشے کا ہر دانہ اور جس کے قلم کا ہر نقطہ اور جس کی کمائی کا ہر سکہ معاند قوتوں سے عہدہ برآ ہونے کا ذریعہ ہے۔

مگر شاید زراعت کے موضوع پر فلسفیانہ مقالہ لکھنے والا کوئی مؤلف اس طرح کی بات مشکل ہی سے سوچ سکتا ہے اور مزید مشکل سے وہ اسے اپنے مبحث میں کھپا سکتا ہے۔

آخر میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یونیورسٹیوں اور کالجوں کی سطح کی اس کتاب کے فلسفے کو دیہات کسانوں تک پہنچانے اور جامۂ عمل پہنانے کے لیے ہمارے ذرائع ابلاغ اس کتاب کے مقصد میں اپنا حصہ ادا کرسکیں گے یا نہیں!

کھلی چِٹھی بنام قاضی مظہر حسین من جانب: سید مہر حسین بخاری - ناشر: مجلسِ تحفظِ ناموسِ اہل بیت - قیمت ۲/- روپے

اصل حقیقت پورا نام: قاضی مظہر حسین چکوالی کے خارجی فتنہ کی اصل حقیقت از مولانا محمد علی صاحب سعد آبادی - ناشر: تحریک خدام الصحابہؓ، شریف نگر، سی ۶ - فیڈرل بی ایریا کراچی۔

یہ دو رسائل تبصرے کے لیے آئے ہیں، مگر ان صفحات میں ایسی بحثوں پر کیا تبصرہ لکھا جائے جو ہماری توجہات کو حال کے تباہ کن فتنۂ الحاد اور فلسفہ ہائے مادیت سے ہٹا کر بار بار کی دہرائی ہوئی صدیوں پہلے کی تاریخ پر لے جاتے ہیں کہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کا معاملہ کیسا تھا۔

یوں بھی جہاں تک (بواسطہ رسم علاقائیت) میں جملاً قاضی مظہر حسین صاحب کو جانتا ہوں، بغیر ان کے ادب میں کمی کیے، انہیں "منظہر مباحث" سمجھتا ہوں۔ وہ سالہا سال سے نت نئے قضیے چھیڑتے رہتے ہیں اور اسی میں ان کا علم اور اُن کی عزیز عمر کھپ رہی ہے۔ قاضی صاحب کے لیے یہ ہی کافی تھے کہ وہ سارے نادر انداز یاں ہم پر شوق سے کرتے رہتے۔ کیا کہ وہ طرح طرح کے مناظروں اور قضیوں کو اُٹھاتے رہتے ہیں۔ کیا اُن کی کوششوں سے علاقہ میں دس بیس افراد بھی کھرے مسلمان بن سکے؟ رشوت، مالِ حرام، تشدد، اسراف، برادری پرستی، رسم پرستی، شرک اور دوسری بلاؤں میں کچھ بھی کمی آئی۔ یہی معیار ہوتا ہے دینِ برحق کی علمبرداری میں کامیابی کا۔

اسی طرح ان کے خلاف جو اصحاب لکھتے ہیں کہ میں ان سے کہتا ہوں کہ آؤ اور آج کی سپر پاور کی سامراجیت اور آج کے فلسفوں اور آج کی تہذیبی قدروں کے تباہ کن سیلاب کو دیکھو کہ مسلمان خاص طور پر اس کی زد میں آکر تباہ ہو رہے ہیں، کچھ ان کا توڑ کرو اور مسلمانوں کو اس سیلاب کے شعور